ریاض الحق ریاض ☆

گلوں کی ساری پتیاں ہوا اُڑا کے لے گئی

صدہا الفاظ ہر روز میرے قلم سے لکھے جاتے ہیں، جس میں نہ کوئی دشواری ہوتی ہے، نہ ہی اسے مرحلہ کہا جائے گا لیکن اپنے کسی ساتھی کے لیے چند صفحات کی تحریر اک مرحلہ ثابت ہوگی، اس کا آج اندازہ ہوگیا۔ نہ مجھے توقع تھی نہ ہی خواہش کہ ریاض کے لیے لفظ ''مرحوم'' لکھوں اور اس کے بغیر سجنے والی اس محفل میں اس پر ایک تعزیتی تحریر پڑھوں۔

مجھے اپنی یادداشت پر کبھی ناز نہیں رہا، میں ایسی ایسی باتیں بھول جاتی ہوں جنہیں کسی بھی سمجھ دار آدمی کو بھولنا نہیں چاہیے، لیکن چونکہ میں یادداشتیں لکھ لیتی ہوں لہٰذا یہ بات بھی مجھے یاد ہے کہ ریاض الحق ریاض سے میری پہلی ملاقات میرے گھر پر یعنی C-68، اسٹاف ٹاؤن، کراچی یونیورسٹی میں، سیّد معراج جامی کے توسط سے ہوئی تھی اور یہ بات ۲۰۰۰ء کی ہے جب مجھے یونیورسٹی اسٹاف ٹاؤن کے وسیع و عریض مکان میں شفٹ ہوئے دوسرا سال تھا، جب کینیڈا میں مقیم ڈاکٹر ستیہ پال آنند، بھارت یاترا کے بعد پاکستان سے گزرتے ہوئے چند دنوں کے لیے کراچی میں ٹھہرے تھے۔ اُن کا قیام فیڈرل بی ایریا میں مدیر ماہنامہ ''صریر''،

☆ تاریخ پیدائش: ۲۰ر جنوری ۱۹۴۴ء۔　　قصور، پاکستان۔
تاریخ وفات: ۲۶ر مئی ۲۰۰۶ء۔　　تدفین: کراچی۔

ڈاکٹر فہیم اعظمی (مرحوم) کے گھر پر تھا۔ ایک دن ان کے لیے میں نے اپنے غریب خانے پر تقریب شعروسخن کا اہتمام کیا تھا۔ میں نے اپنے مہمانوں کی فہرست بنائی تو ڈاکٹر آنند نے بھی اپنے کچھ مہمانوں کے نام اور ٹیلی فون نمبر لکھوائے کہ انہیں بھی یاد سے فون کر کے بلا لینا۔ میرے پاس وقت کم ہے، اچھا ہے ایک جگہ سب سے ملاقات ہوجائے گی۔ ان ناموں میں ایک نام سید معراج جامی کا تھا۔ میں نے انہیں فون کر کے اپنے گھر مدعو کرلیا۔ اس کے بعد دو تین برسوں تک میرے گھر پر شعروادب کی محفلوں کا باقاعدہ اہتمام ہوتا رہا اور پہلی دفعہ کے بعد معراج جامی جب بھی میرے گھر ان تقاریب میں آئے کبھی تنہا نہیں آئے، تین چار اصحاب کی معیت میں ہی آئے۔ ان اصحاب کی تعداد تھوڑا اور بڑھی تو ہم نے بالاتفاق اسے ''جامی ٹولے'' کا نام دے دیا۔ ریاض اسی ''جامی ٹولے'' کا ایک جزو لاینفک تھے، لیکن اب موت نے انہیں ہم سے جدا کر دیا ہے۔

گلوں کی ساری پتیاں ہوا اُڑا کے لے گئی
نہ جانے خوشبوئیں کہاں ہوا اُڑا کے لے گئی

اگر جامی ٹولہ ایک پھول ہے تو اس کی پہلی پتی ہوا اُڑا کے لے جا چکی ہے۔ باقی پتیوں کی خیر ہو۔

جب میں نے پہلی بار ریاض الحق ریاض کو اپنی غزل پڑھتے سنا تو مجھے بالکل توقع نہیں تھی کہ اس نحیف جثے سے ایسی توانا آواز برآمد ہوگی۔ یہ آواز اپنی توانائی کی وجہ سے اب تک فضا کی لہروں اور ہمارے دلوں کی دھڑکنوں میں محفوظ ہے۔

آنکھوں سے نیند، جسم سے فولاد لے گئی
ساری کمائی عمر کی اولاد لے گئی

یا جیسے ۔

مرے پرندے سجا کر گھروں میں رکھے ہیں
نہ جانے کتنے سفر ان پروں میں رکھے ہیں

یا یہ شعر دیکھیے۔

سناٹے کی اوٹ میں بیٹھی سہمی سہمی رات

میرے ویراں پہلو میں چپکے سے لیٹی رات

ان سات سال کے طویل عرصے میں میری ریاض سے چودہ پندرہ سے زائد ملاقاتیں نہیں ہوئی ہوں گی۔ یہ ملاقاتیں کسی نہ کسی ادبی نشست میں ہوتی تھیں، جہاں ہم سب دو تین گھنٹوں کے لیے اکٹھا ہوتے تھے اور پھر اپنے اپنے روزمرہ کی مصروفیتوں میں ایسے الجھتے کہ کم از کم میں ہفتوں، مہینوں کسی کی خیریت تک دریافت نہ کر پاتی تھی۔ اس سات سال کے عرصۂ شناسائی میں، میں نے ریاض کو ایک بار بھی فون نہیں کیا۔ جب تقریب میں مدعو کرنا ہوتا تھا تو جامی صاحب سے کہا اور ایک بھی فون کیے بغیر پورا جامی ٹولہ مدعو ہو جاتا تھا۔ تعلق کی نوعیت یہ ہو تو ایک فاصلہ باقی رہ جاتا ہے، اسی فاصلے کی وجہ سے مجھے ریاض کی خانگی زندگی کے بارے میں سوائے اس کے کہ کلفٹن کے سی ویو اپارٹمنٹ میں رہائش ہے اور کاٹن ایکسپورٹ کارپوریشن میں ملازمت کرتے ہیں، ایک عدد بیوی رکھتے ہیں، چار عدد بچوں کے والد ماجد ہیں، کے سوا اور کوئی آگہی نہیں تھی۔ بس ایک ادھورا سا تعلق ضرور تھا۔

وہ معمول کا ایک عام دن تھا، جون کا گرم مہینہ، میں حسبِ سابق یونیورسٹی میں اپنے کمرے میں بیٹھی روزمرہ کے کاموں کو نبٹا رہی تھی، جب جامی صاحب آئے، دورانِ گفتگو کہنے لگے، ”بھئی مجھے یاد آیا، معذرت چاہتا ہوں آپ کو پہلے نہیں بتا سکا، ریاض کا انتقال ہو گیا ہے۔“

”ہیں“ میں ہکا بکا رہ گئی۔

ہمارے درمیان کچھ کتابوں کی اشاعت کی باتیں چل رہی تھیں، اچانک اس خبر نے ہونق سا بنا دیا۔ پھر جامی صاحب ریاض کی زندگی کے آخری گھنٹوں کی تفصیلات بتاتے رہے اور میں سوچتی رہی کے کیا ایسا ہی ہونا چاہئے تھا، جیسا ہو گیا۔ کیا مجھے دس دن قبل ہونے والے اس حادثے سے اتنا ہی لاتعلق ہونا چاہئے تھا؟ کیا اس ادھورے سے تعلق اور اجنبی سی شناسائی

کا اتنا بھی حق نہیں تھا کہ میں اس کے اہلِ خانہ سے تعزیت کر لیتی؟ شاید ہم اپنے اپنے دائروں میں مجرمانہ حد تک محدود ہو گئے ہیں۔

ریاض الحق ریاض ۲۰ رجنوری ۱۹۴۴ء کو پنجاب کے شہر قصور میں، ملکہ ترنم نور جہاں کے مکان میں پیدا ہوئے، جہاں ریاض کے والدین کرایہ دار کے طور پر رہتے تھے۔ ابتدائی تعلیم لاہور سے حاصل کی۔ بی۔ اے۔ گورنمنٹ کالج، لاہور سے اور ایم۔ اے پنجاب یونیورسٹی سے مکمل کیا۔ ۱۹۷۲ء میں ریاض کی شادی منزہ سے ہوئی اور ۱۹۷۳ء میں کاٹن ایکسپورٹ کارپوریشن میں ملازمت کر لی۔ ۸۰ء کی دہائی میں وہ کاٹن ایکسپورٹ کارپوریشن کے سربراہ کے طور پر تبادلہ ہو کر ملتان چلے گئے اور وہاں کی ادبی زندگی کا لازمی حصہ بن گئے۔ چار سال بعد واپس کراچی آ گئے۔ کاٹن ایکسپورٹ کارپوریشن کے ختم ہو جانے کے بعد وہ ٹریڈنگ کارپوریشن آف پاکستان سے وابستہ ہو گئے۔ یہ دونوں دفاتر شاہراہِ فیصل پر FTC بلڈنگ میں تھے۔

ان کی جولانی طبع کا اصل میدان غزل تھا۔ ایک چھوٹی سی ڈائری ان کی جیب میں ہر وقت ہوتی تھی۔ اِدھر ان سے کلام پیش کرنے کو کہا گیا، اُدھر چھوٹی سی بیاض ان کی جیب سے برآمد ہوئی اور ایسی اونچی اور پاٹ دار آواز میں اُنہوں نے غزل سنانی شروع کی، جو ان کے نحیف جثے سے بالکل لگا نہیں کھاتی تھی۔ ایسی شاندار اور بلند آواز یا ملتان کے شاعر ایاز صدیقی صاحب کی ہے یا ریاض الحق ریاض کی تھی۔ جو غزل ان کی شناخت کا حصہ بن گئی، وہ انہوں نے میرے گھر کی ایک شعری نشست میں سنائی تھی۔ اُس کے چند اشعار دیکھئے:

گلوں کی ساری پتیاں ہوا اُڑا کے لے گئی
نہ جانے خوشبوئیں کہاں ہوا اُڑا کے لے گئی
تمہاری بے وفائیوں کی ایسی آندھیاں چلیں
کہ سب یقین، سب گماں ہوا اُڑا کے لے گئی

محبتوں بھرے سبھی مکالمے بکھر گئے
ورق ورق کہانیاں ہوا اُڑا کے لے گئی
ریاض اب کے سال پھر یہ کھیت پیاسے رہ گئے
وہ کالی کالی بدلیاں، ہوا اُڑا کے لے گئی

ہم اپنی ادبی نشستوں میں اُن کا تازہ کلام سُننے کے بعد، یہ غزل فرمائش کر کے سنتے اور ہر بار داد و تحسین کے ڈونگرے برساتے، ہر بار ایسا لگتا کہ یہ غزل ہم پہلی بار سن رہے ہیں۔

ریاض کی شاعری جدید لہجے کی شاعری تھی جس میں غزل کے مخصوص موضوعات کے علاوہ عصری مسائل اور اپنے عہد کے دُکھ واضح نظر آتے تھے۔ وہ نت نئی ردیف پر غزلیں کہتے اور ہم ہر ادبی نشست میں سوچتے کہ دیکھیں ریاض کی چھوٹی سی بیاض سے کون سی بڑی غزل برآمد ہونے والی ہے۔

اُس خوش مزاج، ہنس مکھ اور ملنسار شخص کا کراچی جم خانہ سے دیرینہ تعلق تھا۔ وہ ٹینس اور بیڈمنٹن کے کھلاڑی تھے جس کی وجہ سے ساٹھ سال کی عمر میں بھی ان کا جسم نوجوانوں جیسا تھا۔ جم خانہ کی ادبی تقریبات میں ضرور شرکت کرتے یا دوسری منزل پر واقع لائبریری میں مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔

جمعہ ۲۶ مئی ۲۰۰۶ء کی شام چھ بجے کے قریب جم خانہ ہی میں انہیں خون کی دو اُلٹیاں ہوئیں اور جب تک لوگ انہیں اُٹھا کر ایمبولینس میں ڈال کر ہسپتال لے جاتے وہ جاں بحق ہو گئے۔

۲۷ مئی بروز ہفتہ بعد نماز عصر، ڈیفنس کے قبرستان میں انہیں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

دنیا بہت حسین جب آنے لگی نظر
تقدیر چپکے سے عدم آباد لے گئی

مجھے یاد ہے ۲۰۰۱ء میں شائع ہونے والے اپنے پہلے مجموعۂ کلام ''سوادِ شام سے پہلے'' پر میں نے لکھ کر دیا تھا ''منفرد لہجے کے شاعر...... ریاض کے لیے''۔ کچھ عرصہ بعد ایک شعری نشست میں ملاقات ہوئی تو کہنے لگے، ''سوادِ شام سے پہلے'' تو میں پوری پڑھ چکا ہوں، بعض غزلیں بہت اچھی ہیں، آپ کی نظمیں زیادہ اچھی ہوتی ہیں۔ آپ کی دو تین غزلوں میں معمولی نوعیت کی غلطیاں ہیں، اگر آپ بُرا نہ مانیں...........''

''نہیں نہیں، اس میں بُرا ماننے والی کون سی بات، میں نے اپنی شاعری کا نہ کبھی دعویٰ کیا ہے نہ اصرار۔ اپنی شاعری میں اصلاح کے لیے تو میں ہمہ وقت تیار ہوں۔''

اس کے بعد جب وہ میرے گھر ادبی نشست میں آئے تو میری کتاب مجھے دے گئے جس میں تین چار جگہ غلطیوں کی نشاندہی تھی۔

''میں ایسا کرتی ہوں یہ کتاب واپس لے کر آپ کو دوسرا نسخہ دے دیتی ہوں۔'' لہٰذا یں نے ریاض کو دوسرا نسخہ دے دیا اور جب میں نے نشان زدہ تصحیحات دیکھیں تو ذہن نے فوراً انہیں قبول کرلیا۔

ریاض کے انتقال کے بعد معراج جامی کے ادارے سے ان کا پہلا مجموعہ کلام ''ہوا اُڑا کے لے گئی'' شائع ہوا، جس کی پذیرائی ہم سب نے بڑی اُداسی سے کی۔

تحریر: اگست ۲۰۰۶ء

(مطبوعہ سفیرِ اُردو، اکتوبر – دسمبر ۲۰۰۶ء)